صدف تبسّم
ریسرچ اسکالر، پی ایچ ڈی
شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی

عزیز حامد مدنی کی شاعری کا نفسیاتی تجزیہ
(''دشتِ امکاں'' کی روشنی میں)

ABSTRACT
Psychological aspects of Aziz Hamid Madani's poetry
By Sadaf Tabassum, Ph.D Scholar, Department of Urdu, University of Karachi.

Aziz Hamid Madani was a modern Urdu poet with modern and contemporary sensitivity. A well-read poet with a keen eye for modern philosophical and scientific issues, Madani presented in his Urdu poetry some issues relating to psychology and its implications. This article analyses the psychological aspects of Madani's Urdu poetry.

نفسیات یا (psycology) کے لغوی معنی علم النفس یا انسان کے شعور اور تحت الشعور کی تحقیق کا علم ہے۔ اور

Psycology can be defined as:

> "The scientific study of the way, the humen mind works and how it influences behaviour,or the influence of the particular person's character on their behaviour. (۱)"

نفسیات بھی دوسرے جدید علوم کی طرح روز افزوں مقبولیت پانے والا ایک جدید علم ہے جس طرح بیسویں صدی میں مارکس کے معاشی نظریات نے ادب کو متاثر کیا بالکل اسی طرح فرائڈ کے نفسیاتی نظریات اور دلائل نے بھی اس صدی کے ادب کو شدّت سے متاثر کیا۔ گو کہ نفسیاتی تنقید کا دبستان بہت قدیم نہیں ہے لیکن بہت ہی تھوڑے عرصے میں اس نے اپنی اہمیت کا دائرہ مذہب، اخلاق، معاشرہ اور دیگر علوم تک وسیع کر لیا اور انسانی فکر کو ایک نئے رُخ پر سوچنے کی دعوت دی کہ ہم اپنے ادیبوں کی تخلیقات اور نجی زندگی سے ان کی ذہنی کشمکش کے آثار دیکھ کر ان کی قدر و قیمت اور اہمیت کا اندازہ کر لیں۔ نفسیاتی تنقید نے ہمیں یہ بتایا کہ ان ظاہری معانی کے پیچھے اس شخص کے انفرادی اور اجتماعی محرکات کی ایک وسیع دنیا کارفرما ہوتی ہے جو نوعیت کے اعتبار سے زیادہ تر غیر شعوری ہوتے ہیں۔

نفسیاتی تنقید کی اساس سب سے پہلے فرائڈ کا نظریہ لاشعور بنا۔ فرائڈ نے نفسیات کو اتنی ترقی دی کہ اپنی زندگی

میں ہی اسے سائنس کے درجے تک پہنچا دیا ۔نفسیات چوں کہ انسانی ذہن کے شعوری اور لاشعوری محرکات کی تفہیم کا نام ہے اس لیے یہ سمجھ لینا کہ صرف فرائڈ اور دیگر نفسیات دانوں کی بدولت ادبی پرکھ میں نفسیاتی عوامل کو بروئے کار لایا جانے لگا تو یہ غلط ہے۔ان سے پہلے بھی ادیب اور تخلیق کار اپنی سائیکی اور بدلتے رجحانات کے ساتھ ذہنی کیفیات کی تبدیلی سے دلچسپی رکھتے ہوں گے صرف اصطلاحات کا رواج نہ ہونے کے باعث ہم ان قدیم تخلیقات کو نفسیاتی تنقید کے دائرے سے باہر نہیں کر سکتے۔ادیب کے سلسلے میں فرائڈ کا نظریہ یہ ہے کہ:

> ''وہ خواہشات اور آرزوئیں جو زندگی میں پوری نہیں ہوتیں، انھیں ایک ادیب اپنی 'ہیجانی تدبیر' سے خواب یا تخیل کی صورت میں ادا کر کے ان کا ارتفاع کرتا ہے اور اس طرح جذبے یا جبلّت کو فروتر سے ہٹا کر برتر سے وابستہ کر دیتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ادیب ایک قسم کا دیوانہ یا مجنوں ہے اور ادب ایک قسم کا طریقۂ علاج (Theropy) ہے جو اس کی بیماری کا رُخ بلند ترین مقاصد کی طرف موڑ کر اسے دور کر دیتا ہے(۲)۔''

فرائڈ کا طریقۂ علاج نفسی محرکات و تصوّرات کی تحلیل پر مبنی تھا اسی لیے اس نے اپنی نفسیات کو 'تحلیلِ نفسی' کا نام دیا۔اس نے انسانی دماغ کی کارکردگی کو تین حصّوں میں تقسیم کیا، وہ کہتا ہے کہ شعور، لاشعور اور تحت الشعور کے درمیان آمد و رفت کا ایک مسلسل سلسلہ ہے۔اس کے علاوہ فرائڈ نے نفسیات کی ایک دوسری تقسیم بھی کی جو نفسِ امّارہ، نفسِ مطمئنہ اور نفسِ لوّامہ کی قرآنی تقسیم کے مترادف ہے۔فرائڈ نے انھیں اڈ (Id)، انا (Ego) اور فوقِ انا (Super ego) کا نام دیا۔ان تمام نظریات میں ایک بات جو محسوس ہوئی وہ یہ کہ فرائڈ نے انسان کے انفرادی ذہن اور اس کی کارکردگی کے ساتھ جنس کو اپنا موضوع بنایا لیکن انسانی زندگی میں جنسی الجھنوں کے علاوہ بھی بہت سی الجھنیں ہیں جو کسی تصنیف اور تخلیق کا محرّک بنتی ہیں۔ اُنیسویں سے بیسویں صدی تک کے سفر میں ادب کو کئی زاویوں سے دیکھا گیا، اُنیسویں صدی کے بیشتر نقاد ادب کو سائنس کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتے رہے مگر یہ عمل اس وقت مکمل ہوا جب نفسیات کی سائنس نے اپنے قدم جمائے۔بیسویں صدی میں ادب کو نفسیات کی روشنی میں دیکھا گیا اور جو اہم نام سامنے آیا وہ آئی۔اے۔رچرڈ کا تھا۔اس نے انفرادی تحلیلِ نفسی کو اجتماعیت میں بدل دیا اس کے نزدیک انسانی ذہن اور اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل کی روشنی میں نفسیاتی اصولوں کو ایک فرد پر نہیں بلکہ پوری قوم، پوری تہذیب پر لاگو کیا جائے۔جالبی صاحب رچرڈ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''رچرڈ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ آج کل کے علم کی روشنی میں یہ ممکن ہے کہ قدروں کا ایک ایسا نفسیاتی نظریہ بنا لیا جائے جو ہمارے ادبی تجربوں کی قدر و قیمت متعین کر

سکے۔''علم الانسان''(Anthropology) کی مدد سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مختلف قومیں مختلف عادات اور مختلف تہذیبوں کے لوگ خیر و نیکی کا ایک سا تصوّر رکھتے ہیں۔یہ بات نفسیات سے بھی ثابت ہوتی ہے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ مذہب کی اخلاقیات پیدائشی نہیں ہوتیں۔وہ سماجی دباؤ سے، رسم و رواج سے، رائے عامہ سے، عقائد سے یا خواہشات سے اپنی شکل بدلتی رہتی ہے اور ایک طرح کی تنظیم اور اصول بندی ہوتی رہتی ہے۔یہ تنظیم کبھی اپنے ارتقاء کو نہیں پہنچتی اس لیے متضاد اثرات اور دھارے بھی ساتھ ساتھ بہتے رہتے ہیں۔زندگی کو ایک راستے پر لگانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے تمام رجحانات کو بدلتے رہیں(۳)۔''

آئی۔اے۔رچرڈ کے ان تصوّرات سے نفسیاتی تنقید کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور نفسیات صرف انسان کی جبلّتوں اور نفسانی خواہشات کا مرقع نہیں رہ گئی بلکہ پورے ماحول کی سائیکی میں تبدّل کا پیش خیمہ ہوئی۔اور تمام ذہنی الجھنوں، جذباتی المیوں اور محرومیوں کے شکار معاشرے کے علاج کا بھی باعث بن سکتی ہے۔اور اس کا اظہار جا بجا تخلیق کاروں نے اپنی تخلیقات میں پیش کیے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ اپنے باطن کے اظہار کے لیے شاعری سے بہتر کوئی صنف نہیں، یہ ہمارے داخلی تجربات و احساسات کی شدّت اور گہرائی کے نقوش کو دوسری تمام اصناف کے مقابلے میں زیادہ توانائی کے ساتھ واضح کرتی ہے۔اسی وجہ سے فکر اور جذبے کی سطح پر اُبھرنے والے انتشار، اضطراب، کرب، نشاط، سکون اور غم و غصّہ۔امید و بیم کی کیفیتیں عملِ تجسیم کے بغیر حرارت اور حرکت کے ساتھ نظم و غزل کی بساط پر جیتی جاگتی نظر آتی ہیں۔عزیز حامد مدنی کا شمار بھی ایسے ہی تخلیق کاروں میں ہوتا ہے۔عزیز حامد مدنی جدید اُردو شاعری میں ایک نمایاں نام ہے جب انھوں نے میدانِ شاعری میں قدم رکھا تو جدید شاعری کا ایک مکمل دور ان کے سامنے موجود تھا۔اس لیے ان کی شاعری اپنے شعور، بصیرت اور جدید فکر کے حوالے سے ابتدا سے ہی اس دور کی اگلی کڑی معلوم ہونے لگتی ہے بلکہ اپنے ہم عصر شعراء سے ہم آہنگ ہو کر اپنی الگ شناخت بھی مقرر کر لیتی ہے ان کے اشعار میں اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی زندگی کے مشاہدات و تجربات کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔ہمیں ان کی شاعری میں نہ صرف انفرادی بلکہ اس دور کی اجتماعی کشمکش اور آویزش کا بیان ملتا ہے ان کی شاعری میں ایک ایسے معاشرے کی تصویر نظر آتی ہے جہاں ایک جانب انسانی زندگی غربت و افلاس کے خارزاروں میں بھٹک رہی ہے تو دوسری طرف انسان خلا میں پرواز کر رہا تھا۔آپ کے جو شعری مجموعے منظرِ عام پر آئے ان میں:

۱۔چشمِ نگراں

۲۔ دشتِ امکاں

۳۔ نخلِ گماں، قابلِ ذکر ہیں۔

''دشتِ امکاں'' جون ۱۹۶۴ء میں اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی سے شائع ہوئی۔ اس مجموعے میں تیس ۳۰ غزلیں اور چھتیس ۳۶ نظمیں شامل ہیں۔ اس مجموعے کی نظمیں اور غزلیں دونوں اپنی جگہ شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔ ''دشتِ امکاں'' کے حوالے سے عزیز حامد مدنی کہتے ہیں کہ:

''میں نے جو نظمیں لکھی ہیں وہ کسی تفسیر اور تشریح کے قابل نہیں ہیں یہ نظمیں اور غزلیں ۹ جولائی ۱۹۴۸ء سے ۱۵ جون ۱۹۶۲ء تک کہی گئی ہیں۔ کچھ علامتیں، کچھ نیم پیدا اشارے ہیں، ذہن کی ایک کیفیت ہے، ایک جستجو ہے، ایک تلاش ہے (۴)۔''

عزیز حامد مدنی جدید ترین فکریات اور علوم کے آدمی تھے اور ''دشتِ امکاں'' ان کی حیرت آمیز اور تہہ دار شاعری کا مجموعہ ہے جس نے صحیح معنوں میں پورے فکری اور علمی حوالے کے ساتھ سارے عالم سے روشناس کرایا ہے۔ اس کے سرورق (Flap) پر مدنی صاحب کی تحریر اس کتاب کے بارے میں اس طرح روشن ہوتی ہے کہ:

''دشتِ امکاں'' تازہ اندیشوں، نیم تاریکیوں اور مجروح روشنی کی رو میں کھلتی ہوئی ایک کتاب ہے اس کی آبادی اور ویرانے ایک نئے آدمی کے تصرّف میں ہیں جو جلتی ہوئی قد آور گھاس سے رزم گاہوں کی کچّی نیند توڑ کر بیدار ہوا ہے، اس کی بیداری کے لمحات میں ذی نفس آہنی مشینیں، رفتار، گفتار کے از سرِ نو بنتے ہوئے پیمانے آزمائش کی گردشوں سے ایک تازہ تر تغیّر چاہتے ہیں (۵)۔''

''دشتِ امکاں'' عزیز حامد مدنی کی لازوال شاعری کا مجموعہ ہے۔ ان کی شاعری تو ان کی علمیت کی عکاس ہے ہی اس کے علاوہ ان کی تنقیدی نظر بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ''دشتِ امکاں'' کا مقدّمہ ''دانشِ حاضر کے سواد میں'' لکھا اور ایسا مبسوط مقدمہ جو ایسے نکات کی طرف توجہ دلاتا ہے جو عصرِ حاضر کی ضرورت ہے۔ مثلاً اس دور کی سیاسی و معاشی و معاشرتی ضروریات کے تحت اپنے ذہن کو تیّار کرنا، اس دور کی نفسیات کا مطالعہ کر کے اس کا علاج تجویز کرنا۔ لکھتے ہیں:

''آج دنیا متضاد کیفیات کی رزم گاہ ہو گئی ہے۔ چھوٹی چھوٹی ضرورتوں سے جو ایک لکھنے والے کے لیے بادامی کاغذ، روشنائی، دو گز سکون کی سرزمین سے شروع ہو کر اس کی ذہنی تربیت اور اس کے پاس کی تہذیب تک جاتی ہے (۶)۔''

مدنی صاحب کا شعور بہت بالغ ہے وہ بالغ نظری سے ہر چیز کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں ان کی نفسیات میں

انا(Ego) کاعنصر بہت واضح نظر آتا ہے۔زندگی کے ارتقاء میں موجودمسائل کے لیے وسائل کے استعمال کاحـل تجویز کرتے ہیں اور یہ نہیں کہ آنکھیں بند کرکے مِن وعن قبول کرلیا جائے بلکہ اپنی گذشتہ روایتوں کے ساتھ اسـں کو اپنے اندر جذب کرلیا جائے۔لکھتے ہیں:

’’زندگی ارتقاء کی طرف جارہی ہے،تہذیبیں جنگ وجدل سے،بے اعتنائی سے،
تخریبی تساہل وکاہلی سے مٹ جاتی ہیں(۷)۔‘‘

سائنسی ایجادات کواور نئے شعور کوارتقاء کی شہادت کے طور پراستعمال کرتے ہیں ان کے نزدیک ناپختہ ذہنِ انسانی اپنے عمل سے خودکو پست اور کمزور بنا سکتا ہے ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:

’’سائنس کی دنیا میں کام کرنے والوں نے اسی ارتقاء کی شہادت دی ہے،ایجـادو تخلیق نے اسی کا ثبوت دیا ہے،آج راکٹ ہے چاند کے سینے کا داغ تلاش کررہا ہے،آج کوبلیٹ ریز(Coblet rays) ہیں جو سرطان کی ناگ پھنی کو بیماریوں کے جنگل سے مٹارہی ہیں،آج نابینا بچے اپنی انگلیوں کی جنبشوں سے حروف ومعنی کے جادہ شناس ہوتے جارہے ہیں۔یہ بھی ایک ترقی ہے انسـان کی عـملی زندگی نااستوارذہنوں کوتاریک کھائیوں میں گراسکتی ہے،مگر ذراسنبھلا ہوا ذہن سفید وسیاہ میں اختیار کرسکتا ہے(۸)۔‘‘

مدنی صاحب نے’’دشتِ امکاں‘‘میں اپنی اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے جن نفسیاتی پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہیں اس کی مثال ان کے بہترین مقدمے سے لی جاسکتی ہے:

’’بات یہ ہے کہ اس صدی کے ادب کوایک نہایت آسیب زدہ سائبان رات بسـر کرنے کوملا ہے۔اس سائبان کے نیچے سائنس بھی ہے،ٹیکنالوجی بھی ہے،دنیا کی آفتیں بھی ہیں،دلوں کے درد بھی ہیں،تاریخ وتغیّر کے اس عظیم سواد سے گھر لوٹیے بھی تو معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کے جدید ادب کی روح بہت آشفتہ حال ہے،مجروح پرندے کی سی آواز آتی ہے جو دھوئیں میں گھر گیا ہو،سکون کے دوحرف،کوئی آہستہ خرام لےکوئی خواب آور آہنگ اس میں نہیں ملتا۔ظاہروباطن میں جدیدفـکرایک سیلِ بےکراں ہے۔اس سیل میں سیاسی،نفسیاتی،جنسی،علامتی وغیرعـلامتی بلاخیز موجوں کا دیوانہ پن ہے(۹)۔‘‘

ادیب روحِ عصر کی پیچیدگیوں کو سمجھتا ہے مگر ادیب ماہرِ نفسیات نہیں ہوتا، سیاسی مفکّر نہیں ہوتا، رہروصوفی نہیں ہوتا وہ زندگی کی مایوسیوں کو اس کی سرخوشی، اس کے پیچ وتاب کو اپنی زندگی کا حصّہ سمجھ کر دبی زبان میں سب کچھ کہہ جاتا ہے۔ اگر مدنی صاحب کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ ہمیں ایک وضع دار اور تہذیب یافتہ شخصیت نظر آتی ہے لیکن اوپر سے بہت روکھے اور سخت مزاج نظر آنے والے مدنی صاحب اندر سے بہت نرم دل رکھتے تھے، جب ایک بار کوئی ان کے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوجاتا تو پھر ساری وضع داری اور تکلف ایک طرف رکھ دیتے۔ سچّے مزاج کے آدمی تھے ان کی شاعری کا معیار بہت اونچا ہے اور یہ بات وہ خود بھی جانتے تھے اس لیے ہر کوئی ان کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔

عزیز حامد مدنی ۱۵ جون ۱۹۲۴ء کو رائے پور انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حامد ساقی مولانا محمد علی جوہر کے ہم سبق اور مولانا شبلی نعمانی کے عزیز شاگردوں میں تھے۔ مدنی صاحب ۱۹۴۸ء میں پاکستان آئے اور اپنے برادرِ بزرگ کے ساتھ کراچی میں سکونت اختیار کی انگریزی ادبیات میں ایم۔اے کرنے کے بعد کچھ عرصے تدریس اور صحافت کے پیشے سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۰ء میں ریڈیو پاکستان کے فیڈرل پبلک سروس کے مقابلے میں کامیاب ہوئے اور ان کا تقرر پروگرام ایگزیکٹو کی آسامی پر ہوا۔ بڑے جاذبِ نظر نوجوان تھے، ذہانت اور وجد کی نیم نمایاں مستقل کیفیت، آنکھوں کی تیز روشنی میں اندرونی اضطرار کی ایک رَو، غیر معمولی تاثر کا برملا اظہار کرتی ہوئی نظر آتی تھی۔ آپ نے تاعمر شادی نہیں کی اس کی دو وجوہات سامنے آئیں، اوّل یہ کہ آپ ایک خاتون کو پسند کرتے تھے جنھوں نے آپ کی محبت کی قدر نہ کی اور آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی اس سے آپ کا دل بہت خراب ہوا، دوسری وجہ یہ سامنے آئی کہ بھائی کے انتقال کے بعد ان کے سارے بچوں کو پالنے کی ذمّے داری لے لی اور تاعمر یہ ذمّے داری نبھاتے رہے۔ آخری عمر میں کینسر میں مبتلا ہو گئے تھے، ۱۹۹۱ء میں انتقال ہوا (۱۰)۔

زندگی اور فن کے بارے میں جو بلیغ اشارے مدنی کی نظموں اور غزلوں میں ملتے ہیں وہ وسعتِ مطالعہ، نپی تلی رائے اور فن کے بارے میں ان کی بصیرت اور دقّتِ نظری کا پتا دیتے ہیں۔ ان کی شاعری ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ان کی شخصیت کے خدوخال، ان کے احساس کی نزاکتیں اور لطافتیں، ان کے متخیلہ کا اعجاز اور ان کی فکر کی گہرائیاں اور وسعتیں یک جا ہو کر ایک کلّیت کی صورت میں نظر آتی ہیں، یہ کلّیت ہی مدنی کی انفرادیت ہے وہ اپنے ماضی سے باخبر اپنی تہذیب کے تخلیقی سفر کی آگہی کے ساتھ اپنے عہد میں سانس لینا جانتے ہیں۔ شاید اسی لیے ان کی شاعری بامعنی نشاط انگیزی کی صورت میں زندگی کی ایک نئی بصیرت فراہم کرتی ہے۔ سائنسی انکشافات اور ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی، انسانی جذبات و احساسات پر جو اثرات مرتب کرتی ہے وہ نت نئے تغیرات کی اوٹ میں عام نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ مدنی صاحب ان سب نئے تغیرات کی چکاچوند کے پیچھے بدلتے ہوئے جذبات و احساسات کی اصل صورت کا نظارہ کرتے ہیں، پھر

احساس کی اس نئی صورت کو شاعری میں ڈھال کر اپنے عہد کی پوری زندگی کو آئینہ دکھاتے ہیں۔

ٹیکنالوجی کی ترقی نے ہماری روزمرّہ زندگی میں تبدیلیوں اور انسانی رشتوں کی تشکیلِ نو نے جو نیا طرزِ احساس پیدا کیا ہے وہی جدید حسّیت ہے۔ اگر نفسیاتی دبستان کو نظر میں رکھ کر ''دشتِ امکاں'' کا مطالعہ کیا جائے تو مدنی صاحب کی زندگی کی انفرادی محرومیاں اور وہ نفسیاتی کجی جو ان کی شخصیت کا حصّہ رہی انھوں نے اسے اپنی ذات تک محدود کرنے کے بجائے معاشرے کی تصویر بنا دیا۔ مدنی صاحب نفسیاتی مریض نہیں بنے بلکہ انھوں نے اس کا رُخ موڑ دیا اور زمانے کو یہ بتا دیا کہ مدنی آزردہ جاں، ہار مان لینے والا انسان نہیں:

نہ جا اے ناخدا دریا کی آہستہ خرامی پر
اسی دریا میں خوابیدہ ہے موجِ تُندِ جولاں بھی (۱۱)

مدنی صاحب نے اس وقت کی اجتماعی ذہنیت کا نفسیاتی مطالعہ کرتے ہوئے یہ اندازہ لگایا کہ ان کی یہ ذہنیت حبس اور محکومی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور انھوں نے اپنے ذہنوں کو اپنے خول میں اس قدر بند کر لیا ہے کہ یہ تازہ ہوا کے جھونکے کو بھی اندر نہیں آنے دیتے:

ہوا کی رَو میں لرزتا پرچم، سکون و شورش کا ایک سنگم
شکن شکن اس کی پردہ در ہے جلال انگیز کروٹوں کی
ہر ایک جنبش کھلی ہوئی شاہراہ ہے بیتاب آہٹوں کی
کواڑ ہیں بند اور حویلی میں شمع کی کوئی لَو نہیں ہے
غبارِ رہ سے اٹی ہوئی کھڑکیوں میں جنبش کی رَو نہیں ہے
ٹھٹھک ہی جاتے ہیں سرد جھونکے مگر اسے آ کے ہر نفس میں
یہ روح آزاد ہے قفس میں۔۔۔!

(صلیبوں کی اوٹ میں) (۱۲)

مدنی کی شاعری میں نفسیاتی الجھنوں کا بیان ضرور نظر آتا ہے لیکن وہ خود کہیں الجھن کا شکار نظر نہیں آتے۔۔۔ بے ربط باتیں نہیں کرتے ان کی شاعری تسلسل کی ایک رَو میں بہتی ہوئی نظر آتی ہے جس میں وہ تمام فکریں، ذہنی انتشار، خیالات، پریشانیاں سموتے چلے جاتے ہیں۔ ذہنی کشمکش کے اُتار چڑھاؤ سے عصرِ حاضر کے ترقی یافتہ اور جدید معاشرے کو روایت کے تانے بانے میں بنتے نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری صرف انفرادی اور شخصی نفسیات کا آئینہ نہیں ہے بلکہ سماج کی نفسیات کا بھی گہرا مطالعہ ہے، ان کے ذہن میں صرف ذاتی مسائل ہی نہیں سماجی اور انسانی مسائل بھی اپنے حل کے

تلاش کے لیے سر اُٹھاتے ہیں۔ انھوں نے نئے دور کی ایجادات کو اپنی شاعری میں جگہ دی اور معاشرے کے ذہنوں میں پیدا ہونے والی ان ایجادات سے دوری کو کم کیا اور اس کی اہمیت اُجاگر کی۔ اتنی خوبصورت تشبیہات دی ہیں جن سے ان کی ذہنی اُپج کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کی نظمیں ''رصدگاہ'' اور ''آخری ٹرام'' وغیرہ اس کی بہتری مثالیں ہیں:

آخری ٹرام لڑکھڑاتی ہوئی
شل، پریشان، نیند سے بوجھل
شیڈ کے بازوؤں میں جاتی ہوئی
زنگ آلود بریک کی فریاد
کر گئی چند ساعتوں کے لیے
رہ گذر کے سکوت کو آباد
کاسۂ یک خیال کی مانند
نیم روشن سی ایک بالکنی
اک نشانِ سوال کی مانند
پوچھتی ہے حسابِ طرزِ معاش
اک ہوا سے جو اس اندھیرے میں
رازِ فطرت کو کر رہی ہے تلاش
دُور پرچھائیوں کا اک بَن ہے
راہ کی ناف سے سرکتا ہوا
اک طرف روشنی کا دامن ہے
اک طرف عافیت کا سرد حصار
گوشۂ چشمِ پاسباں کی طرح
عصمتِ زر پہ بینک کی دیوار
دشت و دَر میں مہیبِ شور سگاں
بے ضمیری ہوا کی کیا کہیے
بے محافظ ہے عصمتِ انساں!

(آخری ٹرام)(۱۳)

اس نظم میں مدنی صاحب نے بڑی عمدگی سے ذہنی کشمکش کو آئینہ بنا کر ٹرام کو علامت کے طور استعمال کیا ہے اور حسرت و یاس کی کیفیات کو جدید اصطلاحات کے ساتھ مدغم کرتے چلے جاتے ہیں۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ:

نیم روشن سی ایک بالکنی
ایک نشانِ سوال کی مانند
پوچھتی ہے حسابِ طرز و معاش۔۔۔

مدنی صاحب نے نہ صرف سائنس کے فوائد سے آگاہ کیا بلکہ اس کے تخریبی اور سفّاک پہلوؤں کو بھی بیان کیا ہے کہ شہری اور مشینی زندگی اپنے مصائب، سفّاکی اور تخریب کے ساتھ انسانی ذہن کی تعمیرِ نو کا حصّہ بن گئی ہے۔ ''دشتِ امکاں'' میں شامل اس کے دیباچہ ''دانشِ حاضر کے سواد میں'' مدنی صاحب لکھتے ہیں:

''سائنس کے کرشموں نے جہاں انسانی زندگی کو خوشیوں سے ہم کنار کیا وہیں اس کے نقصانات نے ذہنی انتشار کا تحفہ بھی دیا ہے۔ مختلف ماہرینِ طبیعات کے انکشافات نے جہاں فطرت کے رازوں کو ٹٹولا ہے وہیں معاشرے کے لیے کچھ الجھنیں بھی پیدا ہو گئی ہیں(۱۴)۔''

ان کے نزدیک انسان کی زندگی نت نئے انکشافات، نئی ایجادات کے ساتھ صدیوں کی روایت سے وابستہ ہے اس کی ذہنی، معاشی، سیاسی، سماجی کشمکش اس کے ذہن میں مختلف زاویے بناتی اور مٹاتی ہے مثلاً:

وقت ہے اک سوال کی صورت
جسم کے کرب میں لٹکتا ہوا
پتھروں کی فصیل کے اُس پار
اُگ رہے ہیں زمیں کے سینے سے
زنگ خوردہ ڈراؤنے اوزار۔۔۔

(نیند)(۱۵)

پائلٹ کاریں نقیب آہن تازہ خرام
شہر کی چادر پہ لرزاں ایک شورِ بے کراں
نیند کر دیتا ہے دوشیزہ زمینوں پر حرام۔۔۔

(ائیر پورٹ کی رات) (۱۶)

مدنی صاحب کی نظمیں انسانی نفسیات اور اس کی کسمپرسی کی بہترین عکّاس ہیں اور وہ اس کسمپرسی سے پیدا ہونے والی بے حالی اور ذہنی بیماریاں جو اس معاشرے کے رگ وپے میں اتر گئی ہیں ان کا مکمل ادراک رکھتے ہیں۔ ان کی نظم ''چوہا'' میں جب ہم یہ شعر پڑھتے ہیں:

ریزہ ہائے نان کی پیہم تلاش
ہر نفس اُلجھی ہوئی فکرِ معاش
روح تاریکی میں پلتی ہی نہیں
جذب کر لیتی ہے سفّاکی کے ساتھ۔۔

(چوہا)(۱۷)

تو اس شخص کی نفسیات واضح ہوتی ہے جو اندھیرے میں رہنے کا اتنا عادی ہو چکا ہے کہ اب اسے اندھیرے میں بھی سُجھائی دینے لگا ہے۔ مدنی صاحب قوم کی بے عملی اور مایوسی سے بے زار نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

مونسِ شب رو یہ دردانہ خرام
ریزہ ہائے نان کی پیہم تلاش
ہر نفس اُلجھی ہوئی فکرِ معاش
عجز ہے تیرا کوئی خالی نیام
روح کی شمشیرِ جوہر دار سے

کب سے ہیں محروم تیرے صبح و شام
روح تاریکی میں پلتی ہی نہیں
جذب کر لیتی ہے سفّاکی کے ساتھ
تیرگی ادراک کا جغرافیہ
یہ ندی رُخ تو بدلتی ہی نہیں

مفلسی کا سرد اندھا آئینہ
دیکھنے دیتا جو چہرے کی خراش۔۔

جسم میں مانندِ برقِ بے اماں
روح کی شمشیر کا جوہر کہیں
ٹوٹ سکتی تھیں بہت پابندیاں

تجھ سے وابستہ بلوں کی تیرگی
تیرگی میں اک گراں حبسِ دوام
جانکنی کی گود میں سمٹا ہوا
نکہت و افلاس کا جغرافیہ
ایک خود رو یاس میں لپٹا ہوا۔۔۔

(چوہا) (۱۸)

قمر جمیل فرماتے ہیں کہ:

''مدنی صاحب کی یہ نظم مغربی ادب سے ان کے گہرے تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔ مغربی ادب میں چوہے کو ادبی علامت کے طور پر برتا گیا ہے۔ چوہا تلاشِ معاش کا سمبل (symbol) ہے۔ کیوں کہ چوہے کو ہر لمحہ ریزہ ہائے نان کی تلاش رہتی ہے۔ جدید انسان کے دو سب سے اہم مسئلے جنس (sex) اور تلاشِ معاش ہے۔ مدنی صاحب کی شاعری میں جدید عہد کے ان دونوں مسئلوں کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے(۱۹)۔''

یہی وجہ ہے کہ مدنی کی شاعری میں نفسیاتی رجحانات کی کثرت پائی جاتی ہے۔ کیوں کی یہ ایسے مسائل ہیں جو براہِ راست انسانی نفسیات سے تعلق رکھتے ہیں اور مدنی ان کا حل نکالنا چاہتے ہیں۔ مدنی کی طبیعت پر طاری اضطراب مدنی کی نشوونما کے عہد کا اضطراب تو تھا ہی جو ان کی روح میں سرایت کیے ہوئے تھا مگر ہجرت کے دکھ نے ان کو توڑ کے رکھ دیا تھا، بالکل تنہا کر دیا تھا، علی گڑھ اور ناگ پور کی محبتیں آسیب بن کر ان کا پیچھا کرتی رہیں اور وہ اپنے سائے سے گھبرا کر، شرما کر ہمیشہ تیز گام رہے مگر انسان سب سے بھاگ کر بھی خود سے کہیں نہیں چھُپ سکتا(۲۰)۔ ایک مقام پر وہ بے اختیار کہتے ہیں کہ:

میری وفا ہے اس کی اُداسی کا ایک باب
مدت ہوئی ہے جس سے مجھے اب ملے ہوئے

میں بھی تو ایک صبح کا تارا ہوں تیز رو
آپ اپنی روشنی میں اکیلے چلے ہوئے

اور پھر دنیا ان پر نمایاں ہونے لگی، درد کے آئینے پر دھول جمنے لگی اور مدنی ان سب یادوں کو اس دھول میں سمیٹتے رہے اور نئی فضا کا چہرہ دیکھنے کے لیے آئینے میں جگہ بناتے رہے۔۔اور ان نئے خیالات نے پرانے نقوش کے ساتھ مل کر مدنی کی تحریروں کو ایک منفرد رنگ عطا کر دیا۔''پچھلے پہر کا چاند'' مدنی کی ایک خوبصورت نظم ہے جس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

بیضوی ماہتاب، سوئے اُفق
ایک یرقاں زدہ مریض کی آنکھ
رات کا طنز روشنی کا ہدف
ریگِ ساحل سے پُر غلیظ صدف
مبتلائے فریبِ دیدہ وری
صیدِ شورش،اسیرِ خود نگری
محوِ صد شیوہ ہائے بال و پری
ایک بے خواب دھند میں مستور
اک معلق بجھا ہوا سا تنور
اک گرہ خوردہ دودِ ماہ و سال
ربط کی سعی میں ہیں ماضی وحال
پارۂ گوشت بر سرِ چنگال

(پچھلے پہر کا چاند)(۲۱)

مدنی نے چاند کو یرقاں زدہ مریض کی آنکھ سے نسبت دے کر اس کی وحشت اور بے قراری کو ظاہر کیا ہے۔مدنی نے اپنی نظموں میں آدمی کی بے وقعتی اور کربِ تنہائی کو بھر پور طور پر اس طرح بیان کیا ہے کہ کربِ ذات، کربِ کائنات میں بدل گیا ہے۔انھوں نے نہ صرف جانداروں کے احساسات کی ترجمانی کی ہے بلکہ بے جان اشیاء کے کرب و اذیّت کو بھی دکھایا ہے۔عزیز حامد مدنی کہتے ہیں کہ:

''شعری تجربہ ایک داخلی کیفیت ہے، ہر شاعر کا ذاتی ادراک اس سلسلے میں الگ ہوتا ہے اس تجربے میں احساس وفکر کی ایک ایسی اکائی کارگر ہوتی ہے جس کے بغیر شاعر

کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ وہ کن چیزوں کا تاثر قبول کرتا ہے کن کو رَد کرتا ہے، اس کی ذاتی یادیں کیا ہیں اس کی قومی یادیں کیا ہیں۔۔۔ ''اہلِ سخن کی آزمائش'' اسی شعری تجربے سے ہوتی ہے (۲۲)۔''

رات، سائے، دھواں، تاریکی، نیند، ہوا،۔۔۔ وقت، موسم اور تغیّر مدنی صاحب کے کثیر الاستعمال استعارے اور علامتیں ہیں۔ رات کا آپ کی زندگی میں گہرا اثر معلوم ہوتا ہے خصوصاً سرد ویران تاریک رات، تھکن، تنہائی اور خوف کی معنویت لے کے ''چشمِ نگراں'' سے ''دشتِ امکاں'' تک بار بار آپ کی شاعری میں نمودار ہوتی ہے۔ مدنی صاحب کی نظموں کا زیادہ تر موضوع یہی رات اور اس کے المیے ہیں۔ عزیز حامد مدنی کے ہاں یہ تیرگی یہ سائے، یہ خوف و دہشت کی مہیب فضا کہاں سے آئی اس حوالے سے ''چشمِ نگراں'' کے دیباچے 'آزادی کے اُفق' میں آپ لکھتے ہیں:

''مجھے یاد ہے کہ جب میں نے زبان کھولی ایک طرف مہیب تاریکیوں کا دور تھا دوسری طرف منظرِ روشنی کے آثار ہویدا ہو رہے تھے ایک طرف خندقوں میں سڑتی ہوئی لاشیں تھیں، آدمی کا لہولہان پیکر تھا۔ ساری انسانی فکر ایک گہن میں تھی (۲۳)۔''

یہ رات عزیز حامد مدنی کے ساتھ ساری زندگی چلی، کیوں کہ ایک تو آپ نے شادی نہیں کی، دوسرا ریڈیو کی ملازمت، تیسری اہم وجہ ادیبوں اور شاعروں کی بیٹھکیں جو ہمیشہ رات میں جمتی تھیں۔ رات بھی موت کی علامت کی طرح ہے جو نئے سفر کے ایک واضح اور روشن اِشارے کی طرح مدنی صاحب کی شاعری میں بار بار نمودار ہوتی ہے اور اپنے اندر پوشیدہ امکانات نمایاں کرتی ہے۔ ''چشمِ نگراں'' سے ''دشتِ امکاں'' اور ''نخلِ گماں'' تک پھیلی ہوئی یہ رات بظاہر مایوسی، اُداسی اور نا اُمیدی کا استعارہ ہے مگر ادیب اور شاعر دنیا کو سیدھی طرح نہیں بلکہ اپنے تخیل کی دنیا میں بسا کر دیکھتے ہیں۔ کیوں کہ میتھیو آرنلڈ کے بقول ادب تنقیدِ حیات ہے اور تنقید محض خوبیوں کی نہیں خامیوں کی بھی نشاندہی کرتی ہے اور شاعر کے تخیّل کی دنیا میں لفظوں کی معنویت اشیاء کا ادراک حسّی اور بصری سطح پر تبدیل ہوتا رہتا ہے (۲۴) اور اس کے ذہن کی گرہیں فکری مسائل کی صورت میں واضح نظر آنے لگتی ہیں:

دور اک واماندۂ شب خستہ سگنل کے قریب
اک پرانے پوسٹر سے جھانکتی ہے روحِ شہر
اک متاعِ دست گرداں بے تعلق، بے یقیں

بلیک کے سودوں میں روحِ تاجری ہے بے لباس
چور دروازے حسابوں کے ہوئے ہیں نیم وا
کھینچ رہے ہیں نرخ کے فیتوں پہ کچھ خطِ قیاس

ساعت جولاں ہے گویا فرصتِ تعبیرِ وقت
اک صفر ناطاقتی کا، اک صفر پیدائی کا
اک تغیّر اک اجل اک درد اک تقدیرِ وقت

اے دمِ آفاق و بالِ آتشیں و روحِ خاک
زندگی محوِ تغیّر ہے تو کیا خطِ اجل
جانِ جنبش تو ابد تو گھوم اے لمحوں کے چاک۔۔

(گھومتے لمحوں کے چاک)(۲۵)

مدنی کے فن کا نقطۂ کمال یہ ہے کہ سائے اور روشنی کے درمیان گزرتی ہوئی اپنی زندگی کی تنہائیوں کو تمام دُکھ درد کے باوجود پُرسکون اور طمانیت خیز لہجے میں سمو کر بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے ان کی ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں کے باوجود ان کی شاعری میں بکھرنے کا عمل نہیں ہے۔ مدنی سراپا تجسّس، مجسم اضطراب اور کائنات گیر مطالعے سے الجھے ہوئے کثیر الآبادی والے شہروں مثلاً بمبئی، علی گڑھ، لاہور اور کراچی جیسے روشنیوں اور سایوں میں ڈوبتے اُبھرتے منظروں سے گزرے۔ جس کے اثرات ان کی شاعری اور ان کی زندگی پر ہمیں واضح نظر آتے ہیں۔

حواشی:

(۱) Cambridge Advanced Learner's Dictionary, Third edition, Cambridge university press. page1145,2012.
(۲) جمیل جالبی، مقدمہ، ارسطو سے ایلیٹ تک، ص ۱۷۔
(۳) ایضاً، ص ۷۳۔
(۴) عزیز حامد مدنی، دیباچہ، دشتِ امکاں (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۴ء)، ص ۱۸۔
(۵) ایضاً، سرورق۔
(۶) ایضاً، مقدّمہ، ص ۳۔
(۷) ایضاً، ص ۳۔

(۸) ایضاً،ص ۳۔
(۹) ایضاً،ص ۷۔
(۱۰) احمد حسین صدیقی، دبستانوں کا دبستان، کراچی (کراچی: فضلی بک سنز، ۲۰۰۳ء)،ص ۳۲۲۔
(۱۱) عزیز حامد مدنی، دشتِ امکاں،محوّلہ بالا،ص ۸۹۔
(۱۲) ایضاً،ص ۳۶۔
(۱۳) ایضاً،ص ۷۵۔
(۱۴) عزیز حامد مدنی، دیباچہ، دشتِ امکاں،محوّلہ بالا،ص ۱۶۔
(۱۵) ایضاً،ص ۴۴۔
(۱۶) ایضاً،ص ۱۲۹۔
(۱۷) ایضاً،ص ۶۰۔
(۱۸) ایضاً،ص ۶۰۔
(۱۹) قمر جمیل، جدید ادب کی سرحدیں (کراچی: مکتبۂ دریافت، ۲۰۰۰ء)،ص ۱۷۷[جلد دوم]۔
(۲۰) فہیم اقبال، سیّد، عزیز حامد مدنی (شخصیت و فن)، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی (شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی، ۲۰۱۴ء)،ص ۱۷۷۔
(۲۱) عزیز حامد مدنی، دشتِ امکاں،محوّلہ بالا،ص ۴۳۔
(۲۲) ______، آج بازار میں پابجولاں چلو (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۸ء)،ص ۴۲۔
(۲۳) ______، چشمِ نگراں،محوّلہ بالا،ص ۱۱۔
(۲۴) فہیم اقبال، سیّد، عزیز حامد مدنی (شخصیت و فن)، محوّلہ بالا،،ص ۱۹۴۔
(۲۵) عزیز حامد مدنی، دشتِ امکاں،محوّلہ بالا،ص ۱۳۔

مآخذ:

اقبال، سیّد فہیم، عزیز حامد مدنی (شخصیت و فن)، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی، شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی، ۲۰۱۴ء۔
جالبی، جمیل، مقدمہ، ارسطو سے ایلیٹ تک، کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۶ء۔
جمیل، قمر، جدید ادب کی سرحدیں، کراچی: مکتبۂ دریافت، ۲۰۰۰ء [جلد دوم]۔
صدیقی، احمد حسین، دبستانوں کا دبستان، کراچی، کراچی: فضلی بک سنز، ۲۰۰۳ء۔
مدنی، عزیز حامد، آج بازار میں پابجولاں چلو، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۸ء۔
______، چشمِ نگراں، کراچی: بیان پبلی کیشنز، ۱۹۶۲ء۔
______، دشتِ امکاں، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۴ء۔
______، دیباچہ، دشتِ امکاں، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۴ء۔
Cambridge Advanced Learner's Dictionary, Third edition, Cambridge university press.